نظریۂ امامتِ مہدی

(اعتدال، افراط و تفریط کے تناظر میں)

"حضراتِ اہل السنۃ کی تشریحات کی روشنی میں ایک تجزیاتی مطالعہ"

حضراتِ اہل السنۃ کی تحقیقات کی روشنی میں نظریۂ امامتِ عترتِ اہلِ بیت کا تعارف، امامتِ لغوی اور اصطلاحی کا تعارف، امامت اہلِ بیت کا تعارف، ائمہ اربعہ کا ائمہ عترت کی دفاع کے لیے علمی، مالی اور عملی جدوجہد میں حصہ، امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا دفاعِ ائمۂ عترت کے جرم میں کوڑے برداشت کرنا اور امام اعظمؒ کو زہر دے شہید کرنا، موجودہ دور میں امامتِ مہدی سے متعلق افراط اور تفریط کے درمیان حضراتِ اہل السنۃ کا راہِ اعتدال، عصرِ حاضر میں نظریۂ امامتِ مہدی کے تقاضے، امام مہدی کو بیعت سے پہلے اپنے بارے میں مہدی ہونے کا علم ہوگا؟ اور لوگوں کو بیعت سے پہلے امام مہدی کی پہچان ہوگی؟ یہ سب موضوعات اس مختصر رسالے میں بیان کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر مفتی ثناء اللہ

دار الافتاء دار العلوم الرحمانیہ، مردان

ناشر: دار الافتاء دار العلوم الرحمانیہ، مردان

فہرست مضامین

مقدمہ

اسلام نے غلو فی الدین سے منع کیا ہے اور اعتدال کا درس دیا ہے۔ اور اعتدال در حقیقت افراط و تفریط کے درمیان حائل ایک دو دھاری تلوار کا نام ہے، جس کی وار سے ہر دور میں خوب خوب جماعتیں جسمانی اور عقیدوی محاذ پر کام آئی۔ تاہم اسلامی تاریخ میں حضراتِ اکابرینِ اہلِ السنۃ نے اس پُر خار وادی میں پھونک پھونک کر قدم رکھا اور دونوں جانب خار دار کانٹوں سے "ما أنا علیہ واصحابي" کے دامنِ بے داغ کو ہر آن نہ صرف بچائے رکھا، بلکہ آنے والی نسلوں کو بھی مفرِط اور مفرَّط ہونے سے بچانے کے لیے اصولی درس نمونہ چھوڑا۔

اسلامی تاریخ میں سبائی فتنے نے پہلے سیاسی طور پر مسلمانوں کو منقسم کر دیا اور پھر اسی تقسیم سے مذہبی تفریق نے جنم لیا۔ اور خلافتِ راشدہ کے اختتام کے بعد کاٹ کھانے والی بادشاہتوں کے دوران شاہی خاندان کے غلبے اور تسلط کو برقرار رکھنے کے لیے بنو امیہ نے اہل بیت کے بارے میں بعض امورِ دینیہ میں تفریط سے کام لیا، تو اس کے مقابلے میں شیعانِ اہلِ بیت نے محبتِ اہلِ بیت کے نام افراط کو رواج دے کر دین بنایا اور بدعات کو فروغ دیا۔

اس کے بعد بنو عباس نے اہلِ بیت کے نام پر جب حکومت حاصل کیا، تو نہ صرف بنو اُمیہ کے خلاف ظلمِ بے جا جاری رکھا، بلکہ ان کے خاتمے کے بعد اَئمہَ اہلِ بیت کو بھی ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور جس طرح خونریزی بنو امیہ نے کربلاء میں مچائی اسی سے زیادہ بنو عباس نے حجاز، کوفہ اور بلادِ اسلامیہ میں اہلِ بیت کے خلاف روا رکھی اور خوب خوب

تفریط سے کام لیا۔ جس کے ردِ عمل کے طور پر شیعانِ اہلِ بیت نے دورِ اموی میں جاری بدعات کو فروغ دے کر زندیقی عقائد اپنے لیے اسلام بنایا اور اہلِ بیت کے حقوق کی تفریط کے مقابلے میں خوب افراط کیا۔

امتِ مسلمہ کے اِن تاریخی ادوار میں اکابرینِ ائمہ ٔ اہلِ السنۃ نے نہ صرف علمی میدان میں اہلِ بیت کے حقوق سے اُمت کو روشناس کیا، بلکہ اپنے اِن زریں ارشادات کو عملی جامہ پہنا کر ائمہ ٔ اہلِ بیت سے علمی استفادہ کیا اور ان کے علوم کو امت تک پہنچایا اور ان کی علمی اور عملی دفاع میں بھی حصہ لیا، چنانچہ امامتِ اہل بیت کا مفہوم افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال کے ساتھ پیش کیا۔ ان کی حکومت قائم کرنے کے لیے دور اموی اور دورِ عباسی میں جگہ جگہ تبلیغی دورے کیے۔ ان کے ساتھ مالی تعاون کیا۔ ان کے لیے افرادی قوت پہنچانے میں مدد کی۔ اور ان کے خلاف دورِ اموی اور دورِ عباسی میں ظالم حکمرانوں سے اعلانِ براءت کر کے ان کے عہدے قبول کرنے سے مکمل طور پر انکار کیا۔ اور اس کی پاداش میں کوڑے برداشت کیے۔ گھر بار کو چھوڑ کر ہجرت پر مجبور کیا گیا اور بالآخر محبت اہلِ محبت کی سزا میں شہید کیے گئے۔

ان میں سرِ فہرست امام الأئمہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام اعمشؒ، امام سعید بن جبیرؒ، امام شافعیؒ، امام ابراہیم الصائغ اور امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔

ان حضرات کے ان قابلِ قدر کارناموں کے تناظر میں موجودہ دور میں افراط اور تفریط سے ہٹ کر امامتِ اہلِ بیت کا صحیح معتدل مفہوم اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے مذکورہ بالا ائمہ ٔ اہل السنۃ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اُمت کو اہل بیت کے بارے میں ان حضرات کے تعلیمات سے روشناس کرانا ہے۔ تاکہ امامتِ مہدی کا نظریہ نہایت اعتدال کے ساتھ مسلمانوں کو سمجھایا جا سکے اور ائمہ اہل السنۃ نے امامتِ اہل بیت کے

لیے جس انداز میں قربانیاں دی ہیں، ہم بھی اسی انداز میں اتنی ہی قربانیوں کے لیے تیاری کر سکے۔تاکہ امامتِ مہدی میں قائم ہونے والی خلافتِ راشدہ کی عظیم بنیاد میں اپنے اکابر اہل السنۃ کے طرز میں افراط و تفریط کے دو دھاری تلوار کے وار سے خود بھی محفوظ ہوں اور امت کو بھی محفوظ کرا سکیں۔

کیونکہ جہاں ایک طرف ناصبیت سے متاثر لوگوں کا راج ہیں، وہیں امامتِ امام مہدی کے بارے میں ''رافضی'' نظریہ ''امام غائب'' کے اثرات ہر زبان زدِ عام و خاص ہے۔ یعنی جس طرح امام غائب لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں ایسے ہی امام مہدی بھی نظروں سے اوجھل ہوں گے۔ جس طرح امام غائب بیعت سے پہلے کسی کو معلوم نہیں۔ایسے ہی امام مہدی بھی کسی کو معلوم نہیں ہوں گے۔ جس طرح امام غائب اچانک نمودار ہوں گے۔ایسے ہی امام مہدی بھی اچانک نمودار ہوں گے۔ جس طرح امام غائب پوری دنیا پر اچانک اپنے خارق عادت کرامات کے ذریعے قبضہ کریں گے۔ ایسے ہی امام مہدی بھی پوری دنیا پر اچانک اپنے خارق عادت کرامات کے ذریعے قبضہ کریں گے۔

مذکورہ بالا غیر شعوری در آمد شدہ نظریات کے مقابلے ائمہ اہل السنۃ کے طرزِ عمل کی روشنی میں موجودہ زمانے میں امامتِ مہدی کے لیے بھرپور تیاری کے بارے میں اہل السنۃ کا حقیقی منہج پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔یعنی جس طرح ائمہ اہل السنۃ نے ائمہ اہلِ بیت کی امامت کو تسلیم کیا اور ان سے علمی استفادہ کیا اور عملی طور پر ان کی دفاع میں حصہ لیا۔ موجودہ دور میں اسی تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے لشکر مہدی سے ملنے کی خاطر اسی نہج پر کام کرنے کی ضرورت کو اس مختصر رسالے میں بیان کرنے کا ارادہ ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عظیم قافلے کے ساتھ قبول فرمائیں۔

نظریۂ امامت مہدی اور تعارف اہل بیت

امامت مہدی کے نظریے میں اعتدال در حقیقت امامت اہل بیت کے نظریے میں افراط اور تفریط کے درمیان اعتدال پر مبنی ہے، جب تک امامتِ اہلِ بیت کے بارے میں ہمارا نظریہ اہل السنۃ کے ائمہ کے مسلمہ نصوص کے مطابق درست نہیں ہوتا، اس وقت تک نظریۂ امامتِ مہدی کے بارے میں ہمارا عقیدہ شکوک وشبہات اور افراط و تفریط کا شکار رہے گا، اس لیے سب سے پہلے امامتِ اہل بیت کے بارے میں درست نظریے کی نشاندہی کرتے ہوئے اعتدال کا منہج واضح کریں گے اس کے بعد امامتِ اہل بیت کے حقوق کا ایک خاکہ پیش کریں گے، جس میں بنیادی چیز اعتقاد، اعتماد اور ان سے محبت اور ان کی شرعی تناظر میں اطاعت ہے۔ اور ان امور کے بارے میں ائمہ اربعہ اکابرینِ علمائے دیوبند کا نظریہ پیش کریں گے۔اس کے بعد امامت مہدی کا نظریہ اور عصرِ حاضر میں اس کے معتدل اور افراط و تفریط کے تقاضوں کو متعارف کریں گے۔

امامت حضرت علیؓ میں افراط و تفریط اور راہ اعتدال مجدد الف ثانی کی نظر میں

محمد ﷺ نے حضرت علی کی محبت میں افراط و تفریط کے بارے میں پیشن گوئی فرمائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح تمہاری محبت میں حد سے تجاوز کرنے والے گمراہ ہوں گے جیسا کہ عیسائی گمراہ ہوئے اور تمہارے ساتھ بغض وعداوت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مغضوب اور ملعون یہودیوں کی طرح ہوں گے، جیسے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بغض کیا ایسے ہی حضرت علی کے ساتھ بھی بعض فرقے بغض کا معاملہ کریں گے، تو جس طرح یہودی ہلاک ہوئے ایسے ہی حضرت علی سے عداوت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنیں گے۔[مکتوبات مجدد الف ثانی]

تمہید: قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں حضور علیہ السلام کے اہل وعیال اور اولاد کے

لیے پانچ الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان میں سے آل اور اہل بیت زیادہ استعمال ہوئے ہیں، جن حضرت علی، حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد کا شامل ہونا جمہور محققین، محدثین اور فقہاء کرام کے نزدیک متفق علیہ ہے۔[النبج السہل، لموسیٰ البازی، ص ۲۳۔ معارف الحدیث، ج۷ ص ۲۷۴]

اہل بیت کا تعارف

اولادِ فاطمہ اگرچہ نسبی اعتبار سے حضرت علیؓ کی اولاد ہیں، چونکہ سیدہ فاطمہؓ نبی کریم ﷺ کی بیٹی تھی، اس وجہ سے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی اولاد بھی نبی کریم ﷺ کی اولاد میں داخل ہونے کی وجہ سے اہلِ بیت میں داخل ہوں گے، جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سیدنا نوح علیہ السلام کی اولاد قرار دیا، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں، تو معلوم ہوا کہ انبیائے کرام کی نسب میں مذکر کے ساتھ مونث کی طرف بھی نسبت ہو سکتی ہے، یہی استدلال حضرت سیدنا موسیٰ کاظمؒ نے ہارون الرشید کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا۔[تفسیر رازی، ج۳ ص ۲۸۴۔ صواعق محرقۃ لابن حجر مکی، ص ۴۷۶] جب کہ حضرت علیؓ کی اولاد بنو ہاشم میں داخل ہونے کی وجہ سے بھی اہلِ بیت میں داخل ہیں، تاہم اولادِ فاطمہؓ اور اولاد علیؓ کی وجہ سے حضرات حسنینؓ اور ان کی اولاد خاص اہل بیت میں داخل ہیں، جنہیں حدیث میں عترتِ اہل بیت کہا گیا ہے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «الْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِي، مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ» ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ امام مہدی میرے عترت میں سے حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہوں گے [سنن ابی داود، کتاب المہدی، رقم: ۴۲۸۴، ج۴ ص ۱۰۷] علامہ خطابیؒ لکھتے ہیں کہ آدمی کی عترت اس کو کہا جاتا ہے، جو اس کے اقارب اور رشتہ داروں

میں زیادہ نزدیک ہو، اور امام مہدی علیہ الرضوان حضرت فاطمہؓ کے اولاد میں سے ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی عترت سے مراد آل بیت میں نبی کریم ﷺ کے خصوصی قریبی رشتہ دار ہیں، جن کا تذکرہ حدیث الکساء میں موجود ہے:

عترتِ اہل بیت کا تعارف:

حدیث الکساء: عن صفية بنت شيبة، قالت: قالت عائشة: خرج ﷺ غداة وعليه مرط مرحل، من شعر أسود، فجاء الحسن بن علي فأدخله، ثم جاء الحسين فدخل معه، ثم جاءت فاطمة فأدخلها، ثم جاء علي فأدخله، ثم قال:"{إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا} [الأحزاب: ۳۳]" ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ ایک صبح رسول اللہ ﷺ اس طرح باہر نکلے کے آپ کے جسم پر ایک موٹی مربع لکیروں والی کالے بالوں سے بنی ہوئی چادر تھی۔ (یعنی عام سی، کھردری اور کم قیمت چادر) تو حسن بن علیؓ آئے تو آپ ﷺ نے اس کو اپنے اس چادر میں داخل کیا، پھر حسینؓ آئے تو آپ ﷺ نے اس کو بھی اپنے اس چادر میں داخل کیا، پھر فاطمہؓ تشریف لائی تو آپ ﷺ نے اس کو بھی اپنے اس چادر میں داخل کیا، پھر حضرت علیؓ تشریف لائے، تو آپ ﷺ نے اس کو اپنے اس چادر میں داخل کیا، پھر فرمایا: (**{إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا}** اے (پیغمبر کے) اہل بیت خدا چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے **[الأحزاب: 33]**") [صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل اہل بیت النبی ﷺ، رقم: ۲۴۲۴، ج۴ص۱۸۸۳] اور مسند أحمد بن حنبل کی روایت میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے: أخرج يده، فألوى بها إلى السماء، ثم قال: " اللهم هؤلاء أهل بيتي وخاصتي، فأذهب عنهم الرجس،

وطهرهم تطهيرا، اللهم هؤلاء أهل بيتي وخاصتي، فأذهب عنهم الرجس، وطهرهم تطهيرا" قالت: فأدخلت رأسي البيت، فقلت: وأنا معكم يا رسول الله، قال: " إنك إلى خير، إنك إلى خير "ترجمہ: کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اس چادر سے نکالا اور آسمان کی طرف بلند کیا پھر کہا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میرے خاص لوگ ہیں، ان سے گناہوں کی ناپاکی کو دور کر لیں اور ان کو خوب خوب پاک کر دے، اے اللہ! یہ لوگ میرے اہل بیت اور میرے خاص گھر کے لوگ ہیں، ان سے گناہوں کی ناپاکی کو دور کر لیں اور ان کو خوب خوب پاک کر دے۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں بھی گھر داخل ہوئی اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ! میں بھی آپ حضرات کے ساتھ ہوں، تو آپ ﷺ نے جواب دیا تم بھی اپنے وقت تک خیر و برکت میں ہو گی اور ایک روایت میں فرمایا کہ تمہارا اپنا مقام ہے جو خیر و برکت والا ہے۔ [مسند أحمد، مسند النساء، حديث أم سلمة، رقم: ۲۶۵۰۸، ج ۴۴ ص ۱۱۹]

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی عترت آپ ﷺ کے اہلِ بیت میں مخصوص ترین افراد شامل ہیں، جن میں سیدنا علیؓ، سیدنا فاطمہؓ، سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ شامل ہیں اور انہی میں سے امام مہدی علیہ الرضوان بھی ہوں گے۔

جیسا کہ پچھلی حدیث میں حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ «الْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِي، مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ» کہ امام مہدی علیہ الرضوان میری عترت حضرت فاطمہؓ کی نسل سے ہوں گے۔

اس بارے میں متعدد احادیث مبارکہ مروی ہیں، بعض میں امام مہدیؒ کا نام صراحۃً مذکور ہے اور بعض میں صراحۃً ان کا نام مذکور نہیں۔ ایسے ہی حضرت ابو سعید خدریؓ کی ایک روایت میں ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی، یہاں تک کہ زمین ظلم و ناانصافی سے بھر جائے گی پھر میرے اہل بیت سے ایک آدمی آئے گا دوسری حدیث میں

ہے کہ میری عترت سے ایک آدمی آئے گا جو ظلم وعدوان سے بھری دنیا کو اپنے عدل وانصاف سے بھر دے گا۔اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے ایک دوسری روایت میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا جور و ظلم سے بھر چکی ہو گی، تو اللہ تعالیٰ میری عترت سے ایک آدمی نکالیں گے، جو سات سال، یا نو سال حکومت کریں گے اس دوران روئے زمین عدل وانصاف سے بھر جائے گی۔

اہلِ بیت کون ہیں؟

اہلِ بیت سے مراد نبی کریم ﷺ کی وہ ہے جن پر زکوۃ لینا حرام ہے، جیسا کہ صحیح مسلم اور مسند احمد کی روایت ہے کہ یہ زکوۃ لوگوں کا میل کچیل ہے، جو نہ محمد اور نہ ہی آلِ محمد کے لیے حلال ہے۔ابن سعد نے حضرت حسنؓ سے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اور میرے اہلِ بیت پر زکوۃ کو حرام کیا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت زید بن اَرقمؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان خطبے دینے کے لیے ایک پانی کی جگہ پر کھڑے ہوئے جس کو خم کہا جاتا تھا، یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، حمد وثناء، وعظ ونصیحت کے بعد فرمایا: ألا يا أيها الناس، إنما أنا بشر يوشك أن يأتيني رسول ربي عز وجل، فأجيب، وإني تارك فيكم ثقلين، أولهما كتاب الله عز وجل فيه الهدى والنور، فخذوا بكتاب الله تعالى، واستمسكوا به " فحث على كتاب الله، ورغب فيه. قال: " وأهل بيتي، أذكركم الله في أهل بيتي، أذكركم الله في أهل بيتي، أذكركم الله في أهل بيتي "، فقال له حصين: ومن أهل بيته يا زيد؟ أليس نساؤه من أهل بيته؟ قال: إن نساءه من أهل بيته، ولكن أهل بيته من حرم الصدقة بعده. قال: ومن هم؟ قال: هم آل علي، وآل عقيل، وآل جعفر، وآل عباس. قال: أكل هؤلاء حرم الصدقة؟ قال: نعم- اَمّا بعد! خبردار، اے لوگو! میں تو ایک انسان ہوں، ممکن ہے کہ عنقریب

میرے پاس اپنے رب کا قاصد آ جائے اور جان سپرد کرنے کے نامہ لے آئے، تو میں اسے قبول کروں گا اور جان اس کے سپرد کروں گا، اور میں تمہارے درمیان دو بھاری بھرکم اصول چھوڑتا ہوں ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، اس کتاب میں جو کچھ ہے اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور اس کو عمل کرو، کتاب اللہ پر عمل کی ترغیب پر ابھارا اور اس کی ترغیب دی، اور فرمایا: میری اہل بیت اس بارے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں، تو حصینؓ نے پوچھا کہ اے زید! اہل بیت کون ہے؟ کیا آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: آپ کی ازواج اہل بیت میں داخل ہیں لیکن اہل بیت وہ ہے جن پر میرے بعد زکوٰۃ لینا حرام ہو، تو پھر اس نے سوال کیا کہ زکوٰۃ کن پر حرام ہے؟ تو زیدؓ نے جواب دیا: وہ آلِ علی، آلِ عقیل، آل جعفر اور آل عباس ہیں، تو اس نے پوچھا کہ کیا ان سب پر زکوٰۃ لینا حرام ہے، تو انہوں نے کہا: ہاں۔[مسند احمد، حدیث زید بن اَرقم،، رقم: ۱۹۲۶۵، ج۳۲ص۱۰]

نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ موالی اور غلام: تو اس بارے میں مہران مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے: إنا آل محمد لا تحل لنا الصدقة " ومولى القوم منهم کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم آلِ محمد کے لیے زکوٰۃ لینا حلال نہیں اور قوم کا مولیٰ اور آزاد کردہ انہی میں سے ہوتا ہے۔[مسند احمد، حدیث مہران، رقم: ۱۵۷۰۸، ج۲۴ص۴۷۸] ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں معلوم ہوا کہ آلِ بیت میں اَزواج، اولاد، بنو ہاشم، بنو المطلب اور ان کے آزاد کردہ غلام سب داخل ہیں اور ایسے ہی جو لفظی طور پر آلِ بیت کی طرف منسوب ہو، جیسا کہ سلمان فارسیؓ وغیرہ، ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «سلمان منا أهل البيت» سلمان ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں۔[المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب المناقب، حدیث سلمان الفارسی، ج۳ص۶۹۱، رقم: ۶۵۳۹]

امامت کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق:

امامت اور خلافت اگرچہ اصطلاحی اعتبار سے کتب عقائد وکلام میں الفاظ مترادف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، لیکن کیا دونوں کے حقائق، مندرجات، معانی، مطالب اور مفاہیم میں فرق ہے یا نہیں؟ذیل میں اس سوال کا جواب ذکر کریں گے:

لغوی تحقیق: امامت، ہمزہ، میم اور میم یعنی اُم فعل کا مصدر ہے، یہ حروف چند لغتِ عرب میں ''اصل''، ''مرجع''، ''جماعۃ'' اور ''دین'' کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لغوی اعتبار سے ان چار معانی سے تین اصولی مطلب مستنبط ہوتے ہیں: ۱۔بلند و قامت، وقت و زمانہ اور قصد وارادہ۔[معجم مقاییس اللغۃ،ج۱ص۳۱]

امام: دینی یا دنیاوی، اچھے یا بُرے مقتدا، رئیس، سردار اور سربراہ کو کہتے ہیں اور اس کی جمع ائمہ آئی ہے، جیسا کہ قرآن میں دینی مقتدا کے بارے میں فرمایا: (وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا)اور فرمایا:(إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا)اور بُرے مقتدا کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا:(فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ) اور فرمایا:(وجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ)

جب کہ امام سے مراد حق اور باطل قول، فعل، تحریر، تقریر اور ان کے علاوہ دیگر جائز یا نا جائز امور کے لیے بطورِ مقتدیٰ استعمال ہونے والے انسان یا کتاب کے لیے لغوی اعتبار سے لفظ ''امام'' کا استعمال ہوتا ہے۔[المفردات فی غریب القرآن للراغب،ج۱ص۸۷] اس سے معلوم ہوا کہ امام سے مراد مصلح، نگران، نگہبان اور منتظم ہوتا ہے۔

اسی معنی کے لحاظ سے قرآن مجید کو امام المسلمین، لوحِ محفوظ بھی ''امامِ مبین'' ہے، نبی کریم ﷺ ''امام الأئمہ'' کہتے ہیں۔اسی مناسبت سے فوجی لشکر کے سپہ سالار کو بھی ''قائد'' اور رعایا کے ذمہ دار کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔[لسان العرب،ج۱۲ص۲۵]

امامت کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاحی طور پر امامت دین کی حفاظت کے لیے دنیاوی امور کی تدبیر اور نظم ونسق کرنے میں نبوت کی نیابت ہے[الأحکام السلطانیہ للماوردی، ص۲] یعنی امامت مکمل ریاست اور عمومی قیادت ہے، جس کا اہم دینی اور دنیاوی امور میں خواص وعوام سے تعلق ہے۔[غیاث الأمم لِامام الحرمین، ص۲۲] خلافت وامامت کے اس عظیم منصب کے ذریعے تمام امت پر ولایتِ عامہ، ان کے امور کو سرانجام دینا اور ان کی ذمہ داریوں کو اٹھانا ہے۔[مآثر الِاناقۃ لأحمد القلقشندی، ص۲] اور بندگانِ الٰہی کی اصلاحِ معاش ومعاد کے قوانین پر امامت وحکومت کے طریق سے تربیت کرنا ہے۔[منصبِ امامت شاہ اسماعیل شہیدؒ، ص۳۰]

خلیفہ اور امام کے درمیان استعمال کے اعتبار سے فرق:

لغوی اعتبار سے خلیفہ کا اطلاق عادل اور ظالم دونوں پر ہوتا ہے اور قرآن مجید میں بھی یہی عادل اور ظالم کے لیے خلیفہ کا استعمال ہوا ہے(وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ)اس آیت کے تناظر میں دیکھ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر خلیفہ کا اطلاق ظالم اور مفسد پر نہ ہوتا، تو فرشتے اس کے لیے کیوں فساد پھیلانے اور خون بہانے کا استعمال کرتے۔ تو ثابت ہوا، کہ لفظِ خلیفہ کا اطلاق قرآن میں عادل اور ظالم دونوں پر ہوتا ہے، اسی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ خلیفہ بھی بنایا، تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم دیا اور خواہشات کی پیروی کی صورت میں عذاب سے ڈرایا، تو معلوم ہوا عام طور پر خلیفہ سے ظلم کا سرزد ہونا ممکن ہے، جیسا کہ فرمایا:(يَادَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ) لیکن اس کے برعکس اگرچہ لغوی اعتبار سے امام کا اطلاق

نیک وبد، مسلمان اور کافر دونوں کے لیے ہوتا ہے، مگر قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ ''امام'' کا استعمال ہوا ہے، تو اس کو قرآن، تورات، لوحِ محفوظ اور امامتِ نبوت کے لیے مراد لیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: (إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا) اور فرمایا: (وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا)اور تورات کے بارے میں فرمایا: (وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَى إِمَامًا وَرَحْمَةً) [الأحقاف، ھود] اگرچہ لفظِ امام کی جمع ''ائمہ'' کو نیک اور بدی دونوں کے سرداروں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

قرآن مجید میں لفظ خلیفہ اور امام کے استعمال میں فرق سے معلوم ہوا کہ اصل کے اعتبار سے مطلق امام عام طور پر اکثر نیک وصالح ہوا کرتا ہے۔ جب کہ مطلق خلیفہ عام طور پر عادل و ظالم دونوں ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اَجمعین سب کے سب عادل، نیک اور نبی کریم ﷺ کے عظیم صحابہ

تھے، لیکن ان کے بعد آنے والی حکومتیں اگرچہ موجودہ حکومتوں سے کئی اعتبار سے اچھی تھی، تاہم ان میں وہ کمال نہ تھا، جو خلفائے اربعہ میں تھا۔ اسی وجہ سے خلفائے اربعہ کے ساتھ راشدین کا استعمال کرتے ہیں اور بعد میں آنے والی خلافتوں کے لیے ''راشدہ'' کا استعمال نہیں ہوتا۔ لیکن ''امام'' کا استعمال عام طور پر صرف دینی مقتدا، پیشوا، روحانی شخصیت اور نہایت عمدہ سربراہ کے لیے ہوتا ہے۔

حصولِ امامت کا قرآنی نصاب: ''یقین'' و ''صبر'' اور امامتِ اہل بیت

(وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ) امام قتادہؒ اس آیت میں لکھتے ہیں {وجعلنا منهم أئمة} قال: رؤساء في الخير سوى الأنبياء کہ ہم نے بنی اسرائیل میں انبیائے کرام کے علاوہ دیگر لوگوں میں بھی صبر اور یقین کرنے والوں کو روحانی پیشوا مقتدا اور امامت کے مرتبے پر فائز کیا[الدر المنثور، ج٦ص٥٥٦] حضرت

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: کہ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب دی تھی جس سے بنی اسرائیل کو ہدایت ہوئی، اور اس کی پیروی کرنے والوں میں بڑے بڑے دینی پیشوا اور امام ہو گذرے۔ آپ کو بھی بلا شبہ اللہ کی طرف سے عظیم الشان کتاب ملی ہے، جس سے بڑی مخلوق ہدایت پائے گی۔ اور بنی اسرائیل سے بڑھ کر آپ کی امت میں امام اور سردار اٹھیں گے۔ [تفسیر عثمانی، ج۳ص۱۰۸]

مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں: یعنی ہم نے بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگوں کو امام اور پیشوا و مقتداء بنا دیا جو اپنے پیغمبر کے نائب ہونے کی حیثیت سے باذن ربانی لوگوں کو ہدایت کیا کرتے تھے۔ اس آیت میں علماء بنی اسرائیل میں سے بعض کو امامت و پیشوائی کا درجہ عطا فرمانے کے دو سبب ذکر فرمائے ہیں، اول صبر کرنا، دوسرے آیات آالھیہ پر یقین کرنا۔۔۔ خلاصہ یہ ہے کہ امامت و پیشوائی کے لائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں جو عمل میں بھی کامل ہوں اور علم میں بھی، اور یہاں عملی کمال کو علمی کمال سے مقدم بیان فرمایا ہے کہ ترتیب طبعی میں علم عمل سے مقدم ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ علم قابل اعتبار ہی نہیں جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ [معارف القرآن، ج۷ص۷۵]

حافظ ابن کثیرؒ نے بعض علماء کا قول اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ بالصبر والیقین تنال الامامہ فی الدین، "یعنی صبر اور یقین ہی کے ذریعہ دین میں کسی کی امامت کا درجہ مل سکتا ہے۔" [تفسیر ابن کثیر، ج۶ص۳۷۲] صبر اور یقین میں اہل بیت اور ائمہؑ عترت سب سے بلند تھے، اس وجہ سے ان کا مرتبہٴ امامت بھی علم و عمل میں سب سے اونچا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اہل بیت ہونے کی وجہ سے ظاہری و باطنی پاکی عطا فرمائی تھی، جیسا کہ فرمایا:

(إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا)

حصولِ امامت کے قرآنی نصاب: "اجتنابِ معصت" میں اہل بیت کا اعلیٰ مقام

حضراتِ اہل سنت کے نزدیک انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہیں، ان کے علاوہ ائمہ اَہل بیت وغیرہ حضرات معصوم نہیں۔ لیکن اَئمہ اَہل بیت کے لیے مرتبۂ امامت پر فائز ہونا صغائر وکبائر اور فسق وفجور سے اجتناب کرنے پر موقوف کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس آیتِ مبارکہ میں(قال إني جاعلك للناس إماما قال ومن ذريتي قال لا ينال عهدي الظالمين) اللہ تعالیٰ نے مرتبۂ امامت کے لیے فاسق کو اہل تجویز نہیں کیا۔ [احکام القرآن للجصاص، ج ا ص ۸۶]اس آیت مبارکہ کی روشنی میں اگر دیکھ لیا جائے، تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر خدائی امتحانات میں کامیابی کے نتیجے میں اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آنے والی انسانیت کے لیے بطورِ امام منتخب کیا، تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں اپنی بعض ذریت کے لیے بھی امامت کا مرتبہ مانگا، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور رسولوں کی پیروی کے ساتھ مشروط کر دیا، چنانچہ نسلِ ابراہیمی میں بنواسرائیل کے صالحین کو زمانۂ نبوت کے اندر نبوت وامامت عطا کی گئی اور ان کے ساتھ خلافت وسلطنت دیگر حضرات کرتے تھے، جیسے کہ حضرت شموئیل علیہ السلام کے دور میں خلافت وسلطنت جناب طالوت کو دی گئی جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں تفصیلی واقعہ مذکور ہے۔ اور بعض کو نبوت، خلافت وسلطنت اور امامت تینوں پر فائز کیا، جیسے حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہ انبیائے کرام۔ اور نسلِ ابراہیمی میں بنواسماعیل کے لیے مرتبۂ رسالت وامامت پر حضرت محمد ﷺ کو فائز کیا گیا۔

تاہم امورِ سلطنت کی دیکھ بھال کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل شخصیات یعنی حضرات شیخین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مرتبۂ خلافت سے نوازا گیا اور روحانی پیشوا کے طور پر ولایت وامامت کے مرتبے کے لیے نبی کریم ﷺ کی نسل اور

حضرت علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کی اولاد کو مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ منتخب کیا گیا، تاہم زمانۂ نبوت نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو انہیں وحی ہوتی ہے اور نہ ہی یہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح معصوم ہے، جیسا کہ حدیث میں فرمایا: (إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللَّهِ، وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي[سنن الترمذی، رقم: ۳۷۸۶، باب مناقب اہل البیت]) چنانچہ اسی مفہوم کو تقریباً اکثر ائمہ اہلِ السنۃ نے تسلیم کیا ہے۔

اہلِ بیت کے ساتھ لفظِ امام کہنے کی وجہ: حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ یہ ائمہ اہلِ بیت اپنے اپنے وقت کے روحانی پیشوا اور اقطاب ہیں اور چونکہ خارجی ان حضرات کی عظمت کو اہل سنت کے دلوں سے مٹانا چاہتے ہیں اس لیے اکابرِ اسلام نے ان کے ناموں کے ساتھ امام کا لفظ استعمال کیا ہے، تاکہ مسلمان ان کو اپنے اپنے درجے میں دینی روحانی پیشوا مانتے رہیں۔ [مشاجراتِ صحابہ اور راہِ اعتدال، ج ا ص ۳۲۰]

حضرات اہل السنۃ کے نزدیک ائمہ عترت کی امامت اور ولایت کا مفہوم:

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

اہلِ سنت امامت کو پیشوائی دین کے معنی میں بولتے ہیں۔ اسی سبب سے امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ کو کہ پیشوائے فقہ تھے اور امام غزالیؒ اور امام رازیؒ کو کہ عقائد اور کلام میں اور نافع اور عاصم کو کہ قراءت میں امام تھے امام کہتے ہیں۔ اور ائمہ اطہار ان سب فنون میں پیشوا ہوئے ہیں۔ خصوصاً ہدایتِ باطن اور ارشاد طریقت کہ ان سے مخصوص تھا۔ اسی سبب سے اہلِ سنت ان کو بے قید امام جانتے ہیں نہ وہ امامت جس سے مراد خلافت ہے۔ [تحفہ اثنا عشریہ، مترجم، ص ۳۴۶]

شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے کلام کی تشریح:

ا۔ حضرتؒ کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اہلِ سنت کے نزدیک امامت اور خلافت میں

فرق ہے۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خلافت یاامامت سے مراد خلافت یا حکومت لینا یہاں پر امامت سے مقصود نہیں، بلکہ اس سے ایک اور اعلیٰ مرتبہ ہے، جو مقاماتِ نبوت میں سے ہے۔ لہذا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ میں امامت کو خلافت و حکومت میں ہی منحصر رکھنا درست نہیں، بلکہ امامت کا ایک مفہوم بھی ہے، جیسا کہ حضرتؒ نے اس کلام میں خوب بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جو حضراتِ اہل السنۃ کے اصول و قواعد کے بھی متصادم نہیں۔

امامت فی الدین کے قرآنی معیار: "یقین"، "صبر" اور" اجتنابِ معصیت" پر اہلِ بیت پورے اترتے ہیں:

۲۔اہلِ بیت اور عترت کے علاوہ دیگر صالحینِ امت، فقہائے عظام اور محدثین بھی ائمہ کرام میں داخل ہیں، تاہم ائمہ اہل بیت کے بارے میں قرآن مجید اور صحیح مسلم کی روایت کے تناظر میں شرعی امور میں امت کی مرجعیت انہی کو حاصل ہے اور ان کی نیابت میں دیگر امت کو بھی نبی کریم ﷺ کی آلِ حسبی میں داخل ہونے کی وجہ سے شامل ہے، تاہم اہلِ بیت اور عترت کو بنیادی طور پر آلِ نسبی ہونے کی وجہ سے حاصل ہے، جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں مفسرین نے اس نکتے کی وضاحت فرمائی ہے: (إِنَّمَا يُرِيدُاللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ترجمہ: اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے (نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے) گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو خوب نکھار دے۔یعنی معصیت و نافرمانی کی آلودگی سے پاک کر کے، عقیدہ، عمل، ظاہر، باطن ہر چیز میں خوب جلا پیدا کر دے۔ شریعت الہی نے انسان کی آزادی پر جو بھی قیود و حدود عائد کیے ہیں سب کا منشا بس یہی ہے کہ انسان کو بہتر انسان بنادے، جسم، روح، عقل ہر اعتبار سے پاک صاف ہو نہ یہ کہ اس کی راہ کو خواہ مخواہ سخت و تنگ بنادے۔(آیت)" انما

یریداللہ''۔ چناچہ ظاہر ہے کہ جب اللہ نے ارادہ کرلیا تو وہ اپنے ارادہ کو پورا کرکے بھی رہا۔[تفسیر ماجدی، سورۃ الاحزاب:۳۳]

امامت اہل بیت کا مقصد:

روحانی پیشوا کے طور پر امامت کا مرتبہ مقاماتِ انبیائے کرام کے مشابہ ہے، لیکن اس مرتبے میں وحی اور عصمت نہیں ہوتی۔تاہم وہی اعمال ان ائمہ عترت کے سپرد ہوتے ہیں، جن میں تشریعی اورالہامی علم، گناہوں کے اثرات سے پاکی اور مکمل تطہیر وغیرہ شامل ہے، جیسا کہ صحیحین کی روایت میں فرمایا:(أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى) یعنی تم میرے ساتھ اخروی مراتبِ دین میں قریب ہو[مرقاۃ،رقم:۶۰۸۷،ج۹ص۳۹۳۱] یہی وجہ ہے کہ تشریعی اورالہامی علم میں تمام کبار صحابہؓ آپؓ کے علم کے معترف تھے اور اکثر مسائل میں آپ کی رائےاور علمی شان کو تسلیم کرتے تھے،چنانچہ حضرت عمرؓ کا مشہور مقولہ ہے، کہ اللہ اس امت کو ایسے مشکل مسائل سے بچائے، جس کا حل ابو حسن یعنی حضرت علیؓ کے پاس بھی نہ ہو[کشف المشکل من حدیث الصحیحین لابن الجوزی، رقم: ۱۰۵، ج۱ص۱۷۶]

چونکہ نبوت کے علاوہ دینی امور میں آپ کو نبی کریمﷺ کی نیابت حاصل تھی،اس لیے ایک حدیث میں جنبی کے لیے مسجد ٹھہرنا صرف علیؓ اور نبی علیہ السلام کے جائز قرار دیا،جیسا کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے لیے یہ جائز تھا،تو آپؓ کے لیے بھی جائز قرار دیا گیا۔[فیض الباری للکشمیری،ج۱ص۳۶۲]

اس سے معلوم ہوا کہ دینی امور میں امت کی رہنمائی کا مرتبہ حضرت علیؓ اور ان کی متشرع اور نیک صالح عترت کو نبی کریمﷺ کی نیابت میں ملا ہے۔

امامت وخلافت کی تحقیق:

ا۔علم الکلام والعقائد کی روشنی میں اگرچہ امامت وخلافت ایک ہے، لیکن یہاں اس سے مقصود علم الکلام والعقائد کی اصطلاح مقصود نہیں، بلکہ یہاں اس کلامی اصطلاحی انداز سے ہٹ کر قرآن وحدیث کے ظاہری مفاہیم کے تناظر میں ان دونوں اصطلاحات میں باہمی فرق کو اکابر حضرات علمائے اہل السنۃ کے تصریحات کی روشنی میں بیان کرنا مقصود ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ امامت صرف بادشاہت، سلطنت اور حکومت کا نام نہیں، بلکہ امامت مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی رہنمائی کرکے ان کے لیے روحانی پیشوا کا وہ عظیم منصب ہے، جو مقاماتِ انبیاء کے مشابہہ ہے، جن میں دینی اور سیاسی امور میں خلفاءِ امت کی رہنمائی داخل ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کے انبیائے کرام کا مرتبہ ہوتا تھا، چنانچہ فرمایا: (كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء، كلما هلك نبي خلفه نبي، وإنه لا نبي بعدي [صحیح البخاری، باب ذکر انبیاء بنی اسرائیل، ج۴ص۱۶۹، رقم:۳۴۵۵] ایسے ہی فرمایا: (أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا)[البقرۃ:۲۴۶]

قرآن مجید اور صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوا کہ نبی کبھی بادشاہ نہیں ہوتا تھا، لیکن بادشاہ کی تقرری میں بنیادی مشورہ نبی کا ہوتا تھا، مگر کبھی نبی ہونے کے ساتھ ساتھ وزیرِ خزانہ، وزیرِاعظم اور بادشاہ بھی ہوتا تھا، جیسا کہ فرمایا: یوسف علیہ السلام کی وزارت عظمیٰ کے بارے میں فرمایا: (قَالُوا يَاأَيُّهَا الْعَزِيزُ) اور یوسف علیہ السلام کی وزارتِ خزانہ کے بارے میں فرمایا(اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ)اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت وخلافت کے بارے میں فرمایا:(وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ) اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت اور بادشاہت کے بارے میں فرمایا:

(رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا) تو جس طرح بنی اسرائیل کے انبیائے کرام میں عام طور پر بادشاہت و خلافت کا ذمہ پیغمبر کا نہیں ہوتا تھا، بلکہ پیغمبر کا ذمہ لوگوں کی رشد و ہدایت کا ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ نبی کریم ﷺ کو بادشاہت اور نبوت دونوں سے نوازا گیا تھا، تو آپ ﷺ کے ان دونوں مقاصدِ بعثت میں سے ایک شعبے کو یعنی خلافت کو عام طور پر الگ ذمہ داران سنبھالتے رہے اور دوسرے شعبے کو ایک الگ ذمہ داران کے حوالے کر دیا گیا۔ تاہم روحانی پیشوا کے طور پر مرتبۂ امامت ولایت کا شعبہ نبی کریم ﷺ کی عترت، سیدہ فاطمہؓ کی اولاد میں نیک صالح، متشرع اور قرآن وسنت کے مکمل پابند افراد کو دیا اور خلافت کا شعبہ مسلمانوں کی شوریٰ، اہلِ حل وعقد اور علمائے کرام کے اتفاق سے اہل شخصیت کے انتخاب پر موقوف کی گئی۔

یہ دونوں شعبے (خلافت اور امامت) کبھی الگ الگ ہوتے اور کبھی ایک ہی شخص میں بھی دونوں جمع ہو جاتے یعنی امام کبھی خلیفہ ہوتا تھا اور کبھی خلیفہ نہیں ہوتا، جیسا کہ حضرت علیؓ۔ کہ آپؓ خلافت شیخینؓ اور خلافتِ حضرت عثمان میں ان کے وزیر، سیاسی مشیر، قاضی اور بنیادی شوریٰ کے اہم اراکین میں سے تھے۔ اور بعد میں چوتھے نمبر پر آپؓ امامت کے ساتھ ساتھ عہدۂ خلافت پر بھی اہلِ حل وعقد کی اصرار سے فائز ہوئے۔ جب کہ خلفائے ثلاثہؓ اگرچہ خلفاء تھے، مگر عترتِ اہل بیت میں نہ ہونے کی وجہ سے آپ حضراتؓ مرتبۂ امامتِ اہل بیت پر فائز نہیں تھے۔

معتدل شیعوں کے نزدیک مرتبۂ امامت:

مرتبۂ امامت اور درجۂ نبوت میں صرف وحی کا فرق ہے، چونکہ نبوت میں وحی ہوتی ہے، لیکن امامت میں وحی نہیں ہوتی۔ تاہم امام کا مرتبہ دنیا اور آخرت میں سب سے افضل ہوتا ہے۔ اور پہلا امام حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہے، حضرت علیؓ نے جن کبار مہاجرین

صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں بیعت کیا، تو حضرت علیؓ کی تعظیم میں ہمیں بھی ان کی تعظیم کرنی چاہیے اور جن کا حضرت علیؓ نے بیعت کیا ہمیں بھی اپنے امام کی اس فعل کی خلاف ورزی یا عدم رضامندی درست نہیں۔[تاریخ المذاہب الاسلامیہ، امام ابو زہرۃ، ص ۳۳۔ حوالہ از شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید]

تبصرہ: حضراتِ اہل السنۃ کا متفقہ نظریہ ہے کہ انبیائے کرامؑ کے بعد امتوں میں سب سے افضل حضراتِ شیخین ہیں۔ لیکن حضراتِ شیعہ کے اس موقف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مرتبہ حضرات انبیائے کرامؑ کے بعد امتوں میں سب سے افضل ہے، یہ نظریہ ہمارے نزدیک قرآن وحدیث کے نصوص کے تناظر میں محل نظر ہے۔ چونکہ یہ نظریہ دیگر غالی روافض کے مقابلے میں چند وجوہ سے معتدل ہے: ۱۔حضراتِ شیخین کے خلافت ان کے نزدیک مسلم اور واقع شدہ ہے۔۲۔ حضراتِ شیخین کے بیعت کرنے والے مہاجرین وانصار اس بیعت میں حق پر تھے۔۳۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مرتبۂ امامت نبوت سے کم تر اور غیر معصوم ہے۔۴۔ مرتبۂ امامت میں وحی نہیں ہوتی۔

معتدل حضراتِ زیدیہ کے نزدیک مرتبۂ امامت:

غالی شیعوں کے نزدیک امام کا تعین منصوص ہوتا ہے اور اس کو نام اور شخصیت سے متعین کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور وہ امام معصوم ہوتا ہے۔ لیکن زیدیہ کے نزدیک نہ تو امام کا تعین نص سے ہونا ضروری ہے اور نہ ہی اس کو نام اور شخصیت سے متعین کیا جانا ضروری ہے۔ بلکہ احادیثِ مبارکہ میں مذکور اوصاف کے ذریعے سے ہی امام کو پہچانا جا سکتا ہے۔ اور امامت کے نبوی ذکر کردہ اوصاف حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں موجود تھے۔ اس لیے حضرت علیؓ ہی نبی کریم ﷺ کے بعد امامت کے عظیم مرتبے پر فائز ہوئے۔ کیونکہ

امامت کے مطلوبہ اوصاف جتنے حضرت علیؓ میں پائے جاتے تھے، وہ دوسرے حضرات میں ان کی طرح نہیں تھے۔

حضراتِ زیدیہ کے نزدیک امامت کے شرائط:

۱۔ان اوصاف میں سے ہاشمی، متقی، عالم و مجتہد، سخی اور اپنی امامت کی طرف لوگوں کو بلانے والا ہونا شرط ہے۔ مگر حضرت علیؓ کے بعد آنے والے ائمہ اہلِ بیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ حضرت فاطمہؓ کی نسل سے ہو۔

۲۔ حضرت امام زیدؒ کے نزدیک افضل کی موجودگی میں اگر مفضول کی بیعتِ امامت کی گئی، تو یہ بیعت منعقد ہوگی اور یہ امامت جائز تسلیم کی جائے گی۔ کیونکہ امامت کی صحت کے لیے جو صفات مطلوب ہیں، وہ صفات کامل امامت کے لیے واجب ہیں، لیکن اگر اہلِ حل وعقد نے کامل امام کے بجائے دوسری شخصیت کے ہاتھ پر بیعت کی، تو وہ بیعت منعقد ہوگی۔

۳۔ان مذکورہ بالا اصول کی وجہ سے حضرت امام زیدؒ نے حضراتِ شیخین ابو بکرؓ و عمرؓ اور ان کی بیعت کرنے والے دیگر صحابہ کرامؓ کو نہ تو کافر کہا اور نہ فاسق وغیرہ، بلکہ ان سب کی عزت اور توقیر کی اسی طرح برقرار رکھتے، جس طرح دیگر حضراتِ اہل السنۃ کیا کرتے ہیں۔

۴۔ان امور کی وجہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تمام صحابہ کرامؓ میں افضل تھے مگر پھر بھی خلافت حضرت ابو بکرؓ کو چند وجوہ سے دے دی گئی: ۱۔ صحابہ کرامؓ نے دینی مصلحت اور فتنوں کی سرکوبی اسی میں مناسب سمجھی کہ حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی جائے۔ ۲۔زمانۂ نبوت میں حضرت علیؓ کی جنگی معرکے اور عرب مشرکین کے خلاف ان کی سخت گیر موقف کی وجہ سے قریب زمانے میں اسلام قبول کرنے والے نئے

مسلمانوں کے لیے ان کی شخصیت کو قبول کرنا اور ان کی قیادت میں سلطنت کا دل و جان سے حقیقی وفادار بننا فطری طور پر مشکل تھا۔ اس وجہ سے عمر کے اعتبار سے معمر شخصیت، اول اسلام قبول کرنے والے، نبی کریم ﷺ کے یارِ غار اور نہایت قریب رفیق کو مسلمانوں نے متفقہ طور پر اپنا امام بنایا۔ جس کی بیعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر اہلِ بیتؓ نے بھی کی۔

۵۔ اسی معتدل نظریے کی وجہ سے شیعوں نے ان کو کافر کہہ کر ان کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ اور جب بنو امیہ نے حضرت امام

زیدؒ کو خروج پر مجبور کیا، تو ان شیعوں نے بھی مدد نہیں کی اور انہیں شہید کیا گیا۔ اس وجہ سے ان شیعوں کو روافض یعنی حضرت امام زیدؒ کی مدد نہ کرنے والے اور ان کو چھوڑنے والے کا لقب دیا گیا۔

حضرت امام زیدؒ کے ان معتدل نظریات کی وجہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ نے ان سے اخذ بھی کیا اور کی مدد بھی کی، جس کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کو شہید کیا گیا اور حضرت امام مالکؒ کو بھی ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ [دیکھئے: تاریخ المذاہب الاسلامیہ، امام محمد ابو زہرہ، ص ۴۲، ۔۴۵]

تبصرہ: ۱۔ خروج کی یہ شرط خود حضرت امام زیدؒ کے بھائی حضرت امام محمد الباقرؒ نے نہ صرف یہ کہ خروج نہیں کیا، بلکہ حضرت امام زیدؒ کو یہ فرمایا کہ تمہارے ان اصول کے مطابق نہ تو تمہارے والد صاحب بھی امام نہیں کیونکہ انہوں نے خروج نہیں کیا۔ حالانکہ سب انہیں امام مانتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ خروج کی شرط لگانا درست نہیں۔ ۲۔ حضراتِ زیدیہ کے متقدمین کے یہی نظریات ہیں، لیکن موجودہ زمانے میں امام کے بارے میں اکثر زیدیہ فرقہ، اثنا عشریہ سے متاثر نظر آتا ہے۔ اور ان کے عقائد میں وہی

امور داخل ہو چکے ہیں، جو غالی اثنا عشریہ کے ہیں۔

امامتِ اہل بیت کے حقوق اور اکابرین کی تشریحات:

امام رازی نے لکھا ہے کہ اہل بیت کو حضور علیہ السلام کے ساتھ پانچ چیزوں میں ایک جیسے رکھا ہے، جن میں محبت، زکوٰۃ کی حرمت، ظاہری و باطنی تطہیر و پاکیزگی، سلام اور درود میں۔اور محبت کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ محبوب کی اطاعت کی جائے، لہذا اہل بیت سے محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان سے محبت اور اطاعت شریعت کے دائرے میں رہ کر کی جائے۔جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: (قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی) یہ آیت چونکہ مکہ میں نازل ہوئی تھی، اس لیے نبی کریم ﷺ کے مشرکین اقارب کے ساتھ بھی محبت کرنا دینی فرائض میں سے ہے۔

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے بارے میں اچھا اعتقاد رکھنا چاہیے اسی طرح اہلِ بیت کے حق میں بھی عقیدت رکھنی چاہیے اور ان کے صالحین افراد کی زیادہ تعظیم کے ساتھ تخصیص کرنی چاہیے۔اس فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ بارہ ائمہ رضی اللہ عنہم اقطاب نسبتی ہوئے ہیں باطنی نسبتوں کے اعتبار سے اور ان کا قطب ہونا ایک باطنی امر ہے۔[تفہیمات الہیہ، ج۲ص ۲۴۴۔۲۴۵]

قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں: محبتِ اہل بیت کا حکم قرآن مجید نے اس وجہ سے دیا، کیونکہ شریعت مطہرہ کا ظاہری اور باطنی علم ائمہ میں دیگر امت سے زیادہ ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے ان کی باطنی تطہیر فرمائی ہے، جس کی وجہ سے یہ حضرات کمالاتِ ولایت کے اقطاب ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہری علوم کے بھی ائمہ تھے۔اور ان دونوں علوم میں امام المسلمین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی نسل کو خاص فوقیت حاصل تھی، کیونکہ نبی علیہ السلام نے اپنے آپ کو علم کا شہر اور حضرت علیؓ کو علم کا دروازہ قرار دیا۔یہی وجہ ہے کہ ظاہری

علوم میں فقہ کے امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور دیگر کئی ائمہ فقہ وحدیث ائمہ اہل بیت کے شاگرد تھے۔ جب کہ باطنی علوم میں شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی و حسینی اور تمام بڑے سلسلوں کے اہم اولیاء سادات اہل بیت تھے۔ مثلا نقشبندیہ سلسلے کے شیخ بہاؤ الدین نقشبندی سید، حشتیہ کے سید معین الدین چشتی اور سید مودود چشتی، سلسلہ شاذلیہ کے سید ابو الحسن شاذلیؒ[تفسیر مظہری] اور دیگر ائمہ اہل بیت میں سے سید خواجہ گیسو دراز، سلطان اولیاء سید محمد احمد بدایونی، سید چراغ دہلویؒ، سید آدم بنوریؒ، سید احمد شہید اور سید احمد شریف السنوسی قابل ذکر ہیں۔اسی وجہ سے صحیح مسلم، ترمذی، نسائی اور مسند احمد کی روایت میں ائمہ عترت کی اتباع کا حکم دیا گیا چنانچہ فرمایا: (إني تارك فيكم الثقلين، أحدهما أكبر من الآخر: كتاب الله حبل ممدود من السماء إلى الأرض، وعترتي أهل بيتي، وإنهما لن يفترقا حتى يردا علي الحوض")

مزید حضرت زید بن ارقمؓ نے صحیح مسلم کی روایت میں فرمایا: (اذکرکم اللہ فی اھل بیتی) اور قرآن مجید کی آیت میں فرمایا کہ میں تم سے دعوت کے بدلے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا، ہاں اپنے اہل بیت کی قرابت اور محبت چاہتا ہوں۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: (ومن یقترف حسنۃ نزد لہ فیھا حسنا) جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس میں اور خوبی بڑھادیں گے۔ اس آیت میں حسنہ سے مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی محبت ہے۔ [تفسیر مظہری، ج ۱۰ ص ۲۱۷] یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ، امام ترمذیؒ اور علامہ نوویؒ نے اہل بیت کی تعظیم کو شعائر اللہ کی تعظیم اور اہل بیت کی محبت کو تکمیل ایمان قرار دیا ہے۔ [مسند احمد، ج ا ص ۲۴۳۔ السنن الترمذی، ج ۵ ص ۶۱۰۔ ریاض الصالحین، ص ۱۴۵]

علامہ شامیؒ نے امام جعفر صادقؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعے میں اس یتیم بچے کے ساتویں پشت میں نیک دادا کی وجہ سے اس کے خزانے کی

حفاظت کے دو انبیائے کرام بھیجے گئے، تو اہل بیت کا نسب اگرچہ اس میں کئی واسطے ہوں، یہ ضرور فائدے دے گا۔ جیسا کہ علامہ ہیثمیؒ نے کشف الاستارج۳ص ۱۱۰ میں حدیث نقل کی ہے کہ ہر نسب کا فائدہ دنیا تک ہے، لیکن میرے نسب کا فائدہ دنیا وآخرت دونوں میں رہے گا[العلم الظاہر فی النسب الطاہر، ص ۴]

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنابھم ذریتیھم سے استدلال کیا ہے کہ اہل بیت کی نسبی شرافت مسلم ہے لیکن اگر ایمان اور عمل صالح کریں گے، تو ان کا مرتبہ ائمہ اہل بیت کی طرف ہو گا۔

اس وجہ سے ایک حدیث میں فرمایا کہ نبی ﷺ کے رشتے کی تعظیم و تکریم کرتے رہو اور ان کے حقوق کی دیکھ بھال کرتے رہو، فرمایا ارقبوا محمدا فی اھل بیتہ [ریاض الصالحین]

محبت اہل بیت کا تقاضہ اطاعت اہل بیت میں ہے:

متبع شریعت اہل بیت کی اطاعت کے بارے میں فرمان نبوی:

شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ لکھتے ہیں: اس حدیث میں قرآن اور آلِ رسول ﷺ کو دو وجہ سے ثقلین کہا ہے: ۱۔ ثقل ہر نفیس اور عمدہ شیٔ کو لکھتے ہیں، اور یہ دونوں ایسے ہی ہیں، کیونکہ دونوں ہی علوم لدنیہ اور اسرار و حکمِ علیہ اور احکام شرعیہ کے معدن ہیں، اسی لیے حضور ﷺ نے ان کی اقتداء کا حکم فرمایا۔ ۲۔ دونوں کا اتباع اور ان کے حقوق کی رعایت کا وجوب ثقیل ہے۔ علامہ زمخشریؒ نے کتاب الفائق میں ایک تیسرا مطلب تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں: الثقل المتاع المحمول على الدابة، وإنما قيل للجن والإنس الثقلان؛ لأنهما قطان الأرض فكأنهما ثقلان، وقد شبه بهما الكتاب والعترة في أن الدين يستصلح بهما كما عمرت الدنيا بالثقلين. خلاصہ یہ ہے کہ ثقل اس سامان کو کہتے ہیں جو سواری پر لادا جاتا ہے، اسی لئے جن وانس کو ثقلین کہتے ہیں کہ وہ زمین

پر بستے ہیں، تو گویا وہ زمین پر اپنا بوجھ ڈالے ہوئے ہیں، تو جس طرح یہ دنیا ثقلین سے معمور آباد ہیں، اسی طرح دنیائے دین و ایمان قرآن اور آل رسول اللہ ﷺ سے آباد اور اصلاح پذیر ہے، اس مشابہت کی وجہ سے کتاب اللہ اور آل رسول اللہ ﷺ کو ثقلین فرمایا گیا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ آل سے صرف وہ لوگ ہی مراد ہیں، جو عالم کتاب اور ماہر سنت ہیں اور جو مبتدع ہیں ان کی اتباع کا قطعاً حکم نہیں ہے، بلکہ ابتداع سے احتراز واجب ہے۔[الیواقیت الغالیہ، مولانا یونس، ج۱ص۱۴۹]

امامتِ اہل بیت کے حقوق اور ائمہ اربعہ کا عمل:

شہیدِ اہل بیت امام ابو حنیفہؒ اور اتباعِ اہل بیت:

امام ابو حنیفہؒ کے والد ثابت کو بچپن میں حضرت علیؓ کے پاس کوفہ لے جایا گیا، تو آپؓ نے ان کے لیے اور ان کے اولاد کے لیے برکت کی دعا کی تھی۔[تاریخ بغداد، ج۱۲ص۳۶۰] شاید اس کے برکات تھے کہ امام ابو حنیفہؒ کے جامع المسانید للخوارزمی میں حضرت علیؓ سے ۵۸ روایات اور کتاب الآثار میں ۲۶ روایات موجود ہے۔امام الحرمین علامہ جوینی نے فرائد السمطین میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ائمۂ اہل بیت کے ساتھ ظاہری اور خفیہ دونوں طرح کے تعاون کرتے تھے، مثلاً ان پر اپنا مال نچھاور کرنا، حکومتِ وقت کے خلافت ان کے حق میں اپنے حلقۂ اثر میں ان کی اقتداء کا حکم دینا، ان کو اپنے مفید مشوروں سے اور حالات سے باخبر رکھنا اور ان کی خود بھی اتباع کرنا اور ان کے علم کو پھیلانا۔[فرائد السمطین، ج۱ص۴۲۳] چنانچہ جب اہل بیت سے روایت نقل کرنا جرم تھا اور حضرت علیؓ کے قول پر فتویٰ دینا جرم تصور ہوتا تھا، تو ان غیر موافق اور پریشان کن حالات میں فتنہ پر حکمرانوں کے سامنے عقیدتِ اہل بیت میں اعتدال کا نظریہ امام ابو حنیفہؒ کا تھا ایک مرتبہ آپؒ نے کوفہ کے گورنر ابن ہبیرہ کے سامنے کہا کہ اگرچہ میرے نزدیک

حضرت عمرؓ، حضرت علی سے افضل ہے، لیکن میں حضرت علیؓ کی رائے کو لیتا ہوں۔[مناقب کردری، ص۱۹]

سیدنا محمد بن علی الباقرؒ (المتوفی ۱۱۴ھ) ان کے بعد حضرت زید حسنیؓ سے، ان کے بعد امام جعفرؒ اور امام عبداللہ بن حسنؓ سے اور آخر عمر میں امام موسیٰ بن جعفرؒ آپؒ کے کبار مشائخ میں سے تھے، تقریباً دو سال تک حضرت زیدؓ سے کوفہ اور دیگر شہروں میں مختلف علوم وفنون میں اخذ کیا۔ اور حضرت زیدؓ کو معدنِ علم یعنی علمی خزانہ کہتے تھے، جب کہ امام جعفر بن محمد الباقرؒ نے کعبہ میں افتاء کی اجازت دی تھی۔ اور ابوعبداللہ جعفر صادق نے آپؒ کو اُفقہ اُھل بلدہ خطاب دیا تھا۔[تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۱۲۸۔ روض النضیر، ص۵۰۔ الامام زید لأبی زہرۃ، ص۲۵۔ مناقب للموفق، ص۲۲۴۔ مناقب کردری، ص۳۲]

امام ابو حنیفہؒ نے اموی دور میں حضرت زید بن علیؓ کی تحریک کی خوب سیاسی معاونت کی۔ اور اس میں مشہور مقولہ ارشاد فرمایا: خروج زید یضاھی خروج النبی یوم بدر، کہ حضرت زیدؓ کا ظالم حاکم کے خلاف نکلنے کا ثواب بدر کے دن نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلنے کی طرح ہے۔ آپ کا طبعی میلان اس دور میں بھی علوی سادات کے ساتھ تھا۔ اور اس وجہ سے آپ کو کوفہ کے گورنر ابن ہبیرہ کے ۱۲۰ کوڑے دیئے، اس کے بعد آپ نے کوفہ کو چھوڑ کر حجاز ہجرت کی۔

اسی طرح عباسی دور میں جب اہلِ بیت پر ظلم شروع ہوا، امام محمد بن عبداللہؓ اور امام ابراہیمؓ کو شہید کیا گیا، تو اہل بیت کی مالی، سیاسی، علمی اور عملی سپورٹ اور ان کی دفاع میں امام ابو حنیفہؒ نے خوب کردار ادا کیا، یہاں تک کہ جب آپ پر اہل بیت کا تعاون ثابت ہوا، تو ابو جعفر المنصور نے گرفتار کر کے زہر دے کر شہید کیا۔ [مقاتل الطالبین، ص۳۱۔ روض النضیر، ص۵۰۔ احکام القرآن للجصاص، ج۲ص۳۲۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی]

امام شافعی اور اتباع اہل بیت:

محبتِ سادات اور کتاب الأم میں باغیوں کے بارے میں فقہی مسائل کو حضرت علیؓ کے ارشادات سے مستنبط کرنے کی وجہ سے امام شافعیؒ پر شیعیت اور رافضیت کے الزامات لگائے گئے، توان الزامات کے جواب میں امام شافعیؒ نے ایک طویل قصیدہ لکھا، جس کے آخر میں یہ مشہور شعر ارشاد فرمایا: [بیہقی، ج۲ ص۱۸۹]

انی احب بنی النبی المصطفیٰ　　　اعدہ من واجبات فرائضی

لو کان رفضا حب آل محمد　　　فلیشھد الثقلان انی رافضی

امام احمد اور دفاع اہل بیت:

دور عباسی میں جب خلیفہ متوکل نے ناصبیت کے پرچار جارحانہ انداز اپنایا، اور کہتے کہ جو خلافتِ علیؓ کا قائل نہ ہو، تو وہ گدھے سے زیادہ احمق ہے اور اس سے اشارہ خلیفۂ وقت کی طرف تھا۔ اور یہاں تک کہتے کہ خلافت سے حضرت علیؓ کو فضیلت نہیں ملی، بلکہ خلافت کو حضرت علیؓ سے فضیلت ملی۔ اور فرماتے کہ جتنے فضائل احادیث میں حضرت علیؓ کے بارے میں منقول ہے، کسی اور کے بارے میں منقول نہیں۔ اور محدثین سند اہل بیت کو سلسلۃ الذہب کہتے ہیں، جس کے سننے کے لیے ہزاروں لوگ اہلِ بیت کے مشہور محدث امام علی رضاؒ کے پاس جوق در جوق آتے۔ یہی تفصیل مکتوبات شیخ الاسلام میں اور مولانا سرفراز صفدرؒ نے شوق حدیث میں لکھی ہے۔ [مناقب احمد بن حنبل، ص۱۲۳، ۱۱۹۔ صواعق محرقہ، ص۶۷۸]

گذشتہ بالا امور سے امامتِ اہل کے بارے میں ائمہ اَربعہ کا مؤقف ہمارے سامنے مدلل ہو کر سامنے آیا۔

۱۔ائمہ اَربعہ نے ائمہ اَہل بیت کی دفاع میں بھرپور حصہ لیا۔ ۲۔ان کی سیاسی معاونت کی۔ ۳۔ان کی مالی معاونت کی۔ ۴۔ ظالم حکمرانوں کے سامنے ان کی تعظیم کو خوب واضح کیا۔ ۵۔ جہاد کے دوران ان کے ساتھ افرادی قوت میں حصہ لینے کی ترغیب دیتے۔ ۶۔ان سے علم حاصل کرتے اوران کی فوقیت کا بھرپور مظاہرہ کرتے۔ ۷۔ان کی تعظیم کے ساتھ افراط و تفریط سے احتراز کرتے۔ ۸۔امت کو ان کی توقیر کے بارے میں ترغیب دیتے۔

امامتِ اہلِ بیت کی روشنی میں امامت مہدی اور ہماری ذمہ داری

امامت اہلِ بیت کے نظریے کے بارے میں اکابرِ علمائے دیوبند اور حضرات ائمہ اَربعہ کا علمی اور عملی نمونہ مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں ہمارے سامنے ہیں۔ لہذا موجودہ زمانے میں دنیا کے بدلتے حالات اور ملکی و بین الاَقوامی سطح پر مسلمانوں پر مسلط مظالم سے نکلنے کا واحد راستہ امامتِ اَہل بیت کو اعتدال کے ساتھ تسلیم کرنا اور اس راستے میں جس طرح ائمہ اربعہ نے ان کے تعظیم، توقیر، اتباع اور ان کی دفاع کا فریضہ انجام دیا، ہمیں وہی احکامات متوجہ ہیں۔ مزید یہ بھی ذمہ داری ہم پر لاگو ہے، کہ موجودہ زمانہ فتنوں کی شدت اور قربِ قیامت کا ہے، لہذا امت مسلمہ کے سیاسی ادوار کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ ظہورِ مہدی کے بعد امت کی قیادت اہل بیت کے ہاتھوں میں جانے کا وقت قریب ہے۔ اس لیے ائمہ اربعہ کے روحانی اولاد کا یہ فریضہ بنتا ہے کہ جس طرح دورِ اول میں فقہاء، محدثین اور مجتہدین امت نے عظمت اہل بیت اور اتباع اہل بیت کو اپنی زندگی کا منشور بنایا اسی طرح اسی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے امت مسلمہ کے عظیم قائد اور ائمۂ عترت کے آخری امام، مجددِ اعظم کے لیے ہم دنیا بھر میں نصرت اور حسنِ تائید کو اعلان کریں اور اس

کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں بیان شدہ سات (۷) علمائے کرام میں سے ایک کے ہاتھوں ظہورِ مہدی سے بطورِ وعدہ یہ عہد کر لیں کہ اگر بالفرض ہمارے زمانے میں امام مہدی کا ظہور ہو جائے تو میں اپنی مقدور بھر استطاعت کے موافق ان کی ضرور مدد کروں گا۔اور یہ دعوت گھر گھر پہنچا کر حبِ رسول کے دعویٰ میں صداقت کے عنصر کا ثبوت پیش کریں۔

امت مسلمہ کے چار سیاسی ادوار کے بعد امامتِ مہدی کا نظریہ

امت مسلمہ کے پانچ سیاسی ادوار:

عَن النُّعْمَان بن بشير عَنْ حُذَيْفَةَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّكُمْ فِي النُّبُوَّةِ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ، فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا عَاضًّا، فَيَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ جَبْرِيَّةً، فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»، ثُمَّ سَكَتَ. [مشکاۃ المصابیح، رقم:۵۳۷۸، ج۳ص۱۴۷۸] **ترجمہ وتشریح**: اس حدیث مبارک میں نبی کریم ﷺ نے قیامت تک آنے والے تمام ادوار کو پانچ زمانوں میں تقسیم کیا: ۱۔ زمانۂ نبوت ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کی حیاتِ اقدس سے وفات تک کا زمانہ ہے جو "زمانۂ نبوت" کہلاتا ہے۔ ۲۔ زمانہ "خلافت علی منہاج النبوۃ" ہے جس میں خلفائے راشدین اور حضرت حسنؓ کے دورِ خلافت کا عرصہ شامل ہے۔

۳۔ زمانہ "ملک عاض" ہے، (یعنی کاٹ کھانے والی بادشاہت) جس میں خلفائے راشدین کے نہج کے برخلاف موروثی طریقے پر عمل ہوتا رہا، اور باپ کے مرنے کے بعد بیٹا بادشاہ بنتا تھا۔ جب کوئی شخص کسی چیز کے حاصل کرنے میں حریص ہوتا ہے تو اسے "عاضّ" کہتے

ہیں۔یعنی بادشاہ کے انتخاب میں شوریٰ کے فیصلے کو چھوڑ کر موروثی طریقۂ حکومت کو "ملک عاض" سے تعبیر کر دیا۔ اس دور میں بنو امیہ، بنو عباس، سلطنت عثمانیہ اور دیگر متفرق بادشاہتیں شامل ہیں۔ یہ زمانہ اگرچہ خلافت علی منہاج النبوۃ سے مرتبے میں کم ہے، مگر ان زمانوں میں بھی حقیقتاً بادشاہ کے حکم سے حدود، قضاء، صوم وصلاۃ، زکوٰۃ و خراج اور جہاد جیسے اہم امورِ شرعیہ کا باقاعدہ قیام ہوتا رہتا تھا۔اس وجہ سے یہ نظام ہائے حکومت بھی امتِ مسلمہ کے لیے بہترین ادوار شمار ہوتے تھے۔

۴۔چوتھا زمانہ "ملک جبریہ" ہے، (یعنی زور وزبردستی کی حکومت) جس کی ابتداء سلطنتِ عثمانیہ کے خاتمے کے بعد عہدِ استعمار سے ہوئی، جس میں مغربی طاقتیں نے اپنے بل سے نکل کر عالمِ اسلام کے ٹکڑے کر کے اس پر قابض ہوئیں، ان کا خون نچوڑا، اپنا نظام نافذ کروا کر نام نہاد آزادی دی، مگر نظامِ حکومت حقیقتاً غیروں کے طریقوں کے مطابق چلتا رہا اور ابھی تک چل رہا ہے، یہ سارا زمانہ "ملک جبریہ" میں آتا ہے۔اس دور میں دین کی حاکمیت نہ ہونے کے برابر رہ گئی، عالمِ کفر نے متحد ہو کر اسلامی نظام کو کمزور کرنے بلکہ اس کے خاتمے کی بھرپور کوششیں کیں اور اس کے لیے استعماری طاقتوں نے دنیا بھر میں جہاں اسلامی ممالک کو اپنی مرضی کے کٹھ پتلی سربراہوں کی صورت میں یرغمال بنایا۔ وہیں مسلمانوں کو وطن و قوم، لسانیت وفرقہ واریت کی شکل میں باہمی تفریق کا نشانہ بنایا۔ ایسے ہی اس دور میں اسلامی شعائر و قوانین، احکامِ دینیہ کی تضحیک نیز مسلمانوں پر ہر قسم کا ظلم وستم روا رکھنے میں بھی کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی، اسی وجہ سے احادیث مبارکہ میں دنیا کے ظلم وجبر سے بھرنے کے بعد دوبارہ پھر طرزِ نبوی ﷺ پر خلافت کے قیام کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں جہاں مسلمانوں کو آئندہ آنے والے ادوار میں سیاسی نظاموں میں ہونے والی تبدیلیوں سے پیشن گوئی کے ذریعے مطلع فرمادیا، ایسے ہی خلافتِ مہدی کے لیے دیگر مختلف احادیثِ میں کمربستہ ہو کر تیاری کرنے کے بھی بہت فضائل بیان کئے گئے ہیں۔
اس کی مزید وضاحت ایک اور حدیثِ مبارک میں آئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس امت کے لیے ظالم اور جابر بادشاہوں سے افسوس! جو نیک لوگوں پر ظلم وستم کرکے ان کو مختلف طریقوں سے ڈراتے، دھمکاتے ہیں اور انہیں قتل کرتے ہیں۔ صرف وہی لوگ ان سے بچتے ہیں جو ان کی بات مانیں۔ متقی مؤمن ان کے ساتھ زبانی گفتگو کے ذریعے معاملہ رکھے گا مگر اس کا دل ان سے کوسوں دور بھاگے گا، لیکن جب اللہ دوبارہ اسلام کو زندہ کرے گا تو ہر ظالم و جبار کو ختم کر دے گا کیونکہ وہ فساد کے بعد امت کی اصلاح پر قادر ہے۔ پھر فرمایا: اے حذیفہ! اگر دنیا کے ختم ہونے میں ایک دن بھی باقی ہو تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبا کرکے میرے اہلِ بیت کے ایک شخص کو خلیفہ مقرر کرکے اس کے ہاتھ پر ملاحم (خونریز جنگیں) جاری کردے گا اور اسلام کو دنیا پر غالب کر دے گا۔ [جزء آدم بن ابی ایاس، رقم: ۱۷، ج۱ص۱۸] موجودہ دور میں علمائے کرام اور شریعت پر عمل کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ حکومتوں کا کیا معاملہ ہے؟ کیا مختلف نظام ہائے حکومت میں شرکت صرف اس وجہ سے نہیں ہورہی ہے کہ اس کی وجہ سے ان کے شرور سے محفوظ ہوں؟ کیا آج دنیا میں دین داری کا نام دہشت گردی نہیں بنا؟ آئندہ آنے والی احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ظہورِ مہدی کا دور ہے اور خلافت قائم ہونے والی ہے۔
جب کہ دیگر صحابہ کرام کی کئی روایات میں مختلف الفاظ کے ساتھ اس ملکِ جبری والے دور کی مختلف علامات ذکر کیے گیے ہیں، جن میں چند یہ ہیں:
۱۔ اس دور میں حکومت و بادشاہت کا حصول نہ تو خلافت کے انداز پر ہوگا اور نہ ہی موروثی

طریقہ پر، بلکہ اس زمانے میں حکومت کا لینا ظلم وجبر، قہر اور زبردستی کے ساتھ ہوگا، جس میں بادشاہوں کا انداز گذشتہ حکومتوں سے برعکس محض تکبر، گھمنڈ اور زمین میں فساد پھیلانے کے ساتھ مخصوص ہوگا، جس میں علمائے کرام کی طرف عدمِ التفات اور غیر مستحق و نااہل لوگوں کو حکومت کی سپردگی شامل ہوگی۔ [مرقاۃ المفاتیح، باب التحذیر من الفتن، ج۸ص۳۳۷۴۔]

۲۔ ریشم کے استعمال کو حلال سمجھیں گے، زنا اور شراب کا پینا عام اور حصولِ رزق کا طریقہ یہی ہوگا۔[وكائنا عتوة وجبرية وفسادا في الأمة، يستحلون الفروج والخمور والحرير وينصرون على ذلك ويرزقون أبدا۔ السنن الکبریٰ، رقم: ۱۶۶۳۰، ج۸ص۲۷۵]

۳۔ واضح رہے ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی ایک روایت میں ملک عاض یعنی موروثی حکومتوں کو بھی نبوت اور خلافت کی طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حصہ قرار دیا ہے، لیکن اس دور کے بعد "ملکِ جبری" میں حکومت کا انداز ایسا ہوگا جیسا کہ کسی تیز چھری سے بالوں کو کاٹا جاتا ہے، جس میں کسی نیک آدمی کی رعایت نہیں ہوگی، کھلے عام ہاتھ پاؤں کا کاٹنا، مال کا لینا اور قتل کرنا معمول کا کام ہوگا۔ ثم جبروت صلعاء ليس لأحد فيها متعلق، تضرب فيها الرقاب، وتقطع فيها الأيدي والأرجل، وتؤخذ فيها الأموال الفتن لنعیم بن حماد، رقم: ۲۳۳، ج۱ص۹۸۔

۴۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کی ایک حدیث میں فرمایا کہ اس دور میں عام لوگ اور بادشاہ ایک دوسرے کو اسی طرح کاٹیں گے، جس طرح گدھے ایک دوسرے پر حملے کرکے کاٹتے ہیں۔ ثم جبروتا صلعاء، يتكادمون عليها تكادم الحمير الفتن لنعیم بن حماد، رقم: ۲۳۶، ج۱ص۹۹۔

۵۔ کعب احبارؒ کی ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ اس دور میں رہنے والوں کے لیے زمین کا اندر یعنی پیٹ باہر سے بہتر ہے۔ الفتن لنعیم بن حماد، رقم: ۲۳۷، ج۱ص۹۹۔

۶۔ حضرت ابن عباسؓ کے ایک روایت میں اس ملک جبری دور میں جہاد فی سبیل اللہ کو ایک

اہم فریضہ کہا گیا ہے۔ المعجم الکبیر للطبرانی، رقم: ۱۱۱۳۸، ج ۱۱ ص ۸۸۔

نبی کریم ﷺ کی یہ روایت ہمارے لیے موجودہ دور میں جہاں عبرت کا سامان ہیں، وہیں بطورِ نقشہ اس زمانے کی حیثیت کو بھی متعین کرتا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ اس روایت میں امید کی ایک کرن بھی جھلک رہی ہے کہ اس ملک جبریہ کے بعد دوبارہ خلافت راشدہ کا دور واپس آئے گا۔ چونکہ دنیا دار الاسباب ہے اور یہاں ہر کام سبب کے تحت ہوتا ہے، اس لیے ہم ملکِ جبریہ سے نکلنے کے بارے میں امامت مہدی کے بارے میں موجودہ حالات کے تناظر میں امت کی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرنا، امامت کا صحیح اور معتدل مفہوم سمجھنا اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دینا اہم علمی اور عملی فریضہ ہے۔

امام مہدی کی ولایت وامامت

مذکورہ بالا تشریح سے معلوم ہوا کہ امت مسلمہ کے سیاسی ادوار میں اب امت آخری دور یعنی ملک جبری میں ہے کہ زور وزبردستی کی حکومتیں لاگو ہیں اور فسق وفجور اب کفر کی شکل میں رائج ہو چکا ہے۔ لہذا اس سے نکلنے کے لیے ظہورِ مہدی سے صفاتِ زمانیہ، صفاتِ مکانیہ، صفاتِ تکوینیہ اور آیاتِ ربانیہ کو سنتِ رسول اور آثارِ صحابہ میں تلاش کرنے کی ذمہ داری ہم سب پر ہے۔ تاہم اس عظیم مقصد کے لیے دنیا بھر کے علمائے کرام، صدقِ دل سے خلافت راشدہ کے قیام کے لیے متحرک افراد، اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ، حضرات صحابہ کرامؓ اور نبی کریم ﷺ کی عترتِ طاہرہ کے حقوق کا بھرپور انداز میں احساس رکھنے والے اولوالعزم شخصیات کی رکنِ یمانی اور مقام ابراہیم میں بیعت سے کریں گے۔ اور حقوقِ صحابہؓ اور حقوق عترتؓ میں تفریق کرنے والے، اعتدال سے ہٹ کر ان میں افراط و تفریط کا معاملہ برتنے والے، عترتِ طاہرہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ کے

وصیتوں کا لحاظ نہ رکھنے والے امام مہدی کی مخالفت کے لیے فوجوں کی شکل میں جمع ہوں گے۔

تلاش سے پہلے امام مہدی کے بارے میں علم سے متعلق افراط، تفریط اور اعتدال کی باہمی کشمکش

اعتدال کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم نے جس طرح امامتِ اہل بیت کا صحیح مفہوم اور اس کے عملی مظاہرے کا معتدل راستہ ائمہ اربعہ کے اقوال وافعال میں دیکھا، تو ایسے ہی امامتِ مہدی کے بارے میں بھی افراط و تفریط کے آثار کو ترک کر کے اعتدال کے درست سمت پر چل کر امام مہدی کی قیادت میں قائم ہونے والی خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے عملی اقدام میں حصہ ڈالیں۔ جس کے لیے ضروری ہے کہ ہم افراط اور تفریط سے پیدا شدہ نظریات کو چھوڑ کر قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلکِ حق کو اختیار کریں۔

۱۔ قرآن وحدیث کے کسی نص سے یہ بات ثابت نہیں کہ ائمہ عترت معصوم ہے اور ان کی امامت کا مطلب یہی ہے کہ ان کو حکومت دی جائے، بلکہ قرآن وحدیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ اگر اولادِ انبیاء شریعت کی پیروی کریں گے، تو اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کی روحانی پیشوا بنائیں گے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کی عترتِ اہلِ بیت نے دورِ اول میں شریعت کی مکمل پیروی کی اور اس راستے میں انبیائے کرام کی طرح تکلیفیں برداشت کیں۔ اور اُمت نے اس باب میں ان کی امامت اور دینی پیشوائی کا رتبہ تسلیم کیا۔ مگر بعد کے ادوار میں افراط و تفریط سے متاثرہ لوگوں نے ان کی امامت کا غلط مفہوم اتنا عام کیا، کہ مذہبِ حق ناپید ہونے کے قریب ہو گیا اور اس کی کرنیں معدوم معلوم ہونے لگی۔

۲۔ امامتِ اہلِ بیت کے بارے میں صحیح مفہوم معلوم نہ ہونے کی وجہ سے امامتِ مہدی کے نظریے میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے جاتا رہا، چنانچہ جس طرح حضراتِ امامیہ نے

نظریۂ امامت کو صرف ائمۂ عترت کے بارہ (۱۲) افراد میں منحصر کر دیا اور بارویں امام کو غائب کہا۔ ایسے ہی دوسری جانب بھی امامتِ مہدی کے بارے میں انہی نظریات سے ماخوذ باتیں عام ہوئیں:

(۱) امام مہدی کو اپنے بارے میں پہلے سے مہدی ہونے کا علم نہیں ہوگا۔ (۲) بلکہ ایک ہی رات میں مہدویت کے مرتبے پر فائز ہوں گے۔ (۳) ایسے ہی امام مہدی کی شخصیت کو لوگ بھی نہیں پہچانیں گے، بلکہ بیعت کے بعد لوگ پہچانیں گے۔ (۴) کعبہ میں رکنِ یمانی اور مقامِ ابراہیم کے درمیان علمائے کرام علامات کی روشنی میں امام مہدی کو پہچان کر بیعت کی بار بار اصرار کریں گے اور بالآخر حضرت امام مہدی مجبور ہو کر بیعت کریں گے۔ مذکورہ بالا پانچ بنیادی امور اس وقت پوری امت میں اتنی راسخ ہو چکی ہے کہ ان کے خلاف کوئی بات سننے کو تیار نہیں۔ حالانکہ ان امور کا ثبوت قرآن وسنت کے صریح نصوص سے کہیں بھی معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے خلاف قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر، رسول، نبی اور امام ہمیشہ ظاہر ہوتا ہے اور بعثت سے پہلے عوام وخواص کو اس کی نبوت، رسالت اور امامت کے بارے میں علم ہوتا ہے۔

(۱) چنانچہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے بارے میں پہلے سے نجومیوں نے نمرود اور فرعون کو بتایا تھا۔ جس کے خاتمے کے لیے ہزاروں بچوں کو قتل کیا تھا۔ ایسے ہی حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوب کی پیدائش کی بشارت دی گئی، تو پہلے ساتھ ساتھ نبوت کی بھی خوشخبری دی۔ ایسے ہی حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو بتایا گیا کہ بیٹے کو دریا میں ڈال دو، ہم اسے تمہارے پاس واپس لائیں گے اور اس کو رسول بنائیں گے۔ ایسے حضرت زکریاؑ کو جب بیٹے حضرت یحیٰؑ کی خوشخبری دی گئی، تو ساتھ نبوت کی بھی بشارت دی گئی۔

(۲) یہود علامات کی وجہ سے نبی ﷺ کے شہر اور ان کی شخصی علامات کو اپنے بیٹوں کی طرح جانتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں وضاحت سے ہے۔ اور یہ پہچاننا بعثت سے پہلے بھی تھا، بارہ (۱۲) سال کی عمر میں جب آپ ﷺ نے شام کا سفر کیا، تو بحیرہ راہب نے ابو طالب کو بتایا کہ یہ بچہ پیغمبر ہو گا۔ صحیح مسلم کی روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ بعثت سے پہلے جو درخت اور پتھر مجھ پر سلام کرتے تھے وہ مجھے معلوم ہے۔

(۳) خلفائے راشدین کے بارے میں کئی احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ وہ میرے بعد خلفاء ہوں گے اور اس کے نبی ﷺ نے کئی اشارات بھی کیے، چنانچہ امامت کے لیے حضرت ابو بکرؓ کو آگے کیا اور اس گھر کے علاوہ سب کے گھروں کے دروازیں بند کیے۔

ان سب دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی کی خلافت و امامت بھی معلوم ہو گی۔ امام مہدی کی شخصیت بھی بیعت سے پہلے عوام اور خواص کو معلوم ہو گی۔

اسی وجہ سے علمائے سبعہ ان کی بیعت سے پہلے پوری دنیا میں محنت کر کے لوگوں کو ان کی نصرت کے لیے بیعت لیں گے اور علاماتِ زمانیہ، مکانیہ، سیاسیہ شرعیہ اور شخصیہ کی روشنی میں ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ لہذا اس معتدل مسلک کی روشنی میں ہمیں ائمہ عترت کی آخری کڑی، امت کے آخری مجدد امام مہدی کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے پہلے دنیا بھر میں علمائے کرام کے ہاتھوں نصرتِ مہدی کی تیاری کی بیعت کریں۔ اور اس ضمن میں اس موضوع کی طرف توجہ دے کر خوب دعوت دیں۔ عبادات، جسمانی تیاری، ہجرت اور جہاد کو اپنا مشعل راہ تجویز کریں، تب ہی ہم کامیابی پا سکتے ہیں اور امت کی یہ گرتی ناؤ ٹھکانے لگ سکتی ہے۔